تبصرہ کتب

رشید اختر ندوی' پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت' اسلام آباد' ۱۹۹۵ء' ۴۴۸ ص ص' قیمت ۳۰۰ روپے

میں جب "پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان" کا مطالعہ کر رہا تھا تو مجھے پیر حسام الدین راشدی بہت یاد آئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پاکستانی محققین کو چاہئے کہ کتاب لکھتے وقت جس قدر ممکن ہو سکے آراء اور حوالہ جات درج کر دیا کریں۔ کیونکہ پاکستان ایک پسماندہ ملک ہے اس لئے یہاں نہ تو تحقیق کیلئے وہ سہولیات میسر ہیں جو مغربی ممالک میں لوگوں کو حاصل ہیں اور نہ ہی ان کتابوں تک رسائی ہے جو تحقیق کیلئے ضروری ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں کے لوگ کتابیں خریدنے کی استعداد بھی نہیں رکھتے۔

آج ہم جس شخص کی کتاب کا تعارف کرا رہے ہیں' انہوں نے اس کتاب کو لکھنے کیلئے مواد بہت محنت سے جمع کیا اور ان ماخذوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو اس مضمون کے حوالے سے اہم تھے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ انہیں اس کتاب کو شائع کرنے کا موقع نہ ملا۔ اور یہ مسودے کی شکل میں پڑی رہ گئی۔ مرتبین کیلئے موضوع اتنا فنی اور پیچیدہ تھا کہ وہ اس کی اصل روح کو نہ پکڑ سکے اور کتاب کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو سکا جو ہونا چاہئے تھا۔ خوبیوں سے قطع نظر ایسی تمام خامیاں جو مرتب کرتے ہوئے ظاہر ہو گئی ہیں وہ مصنف کے کھاتے میں پڑ جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہو کہ اس میں آراء اور حوالوں کے علاوہ اور ہے بھی کیا۔ بعض جگہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ رشید اختر ندوی صاحب کیا کہہ رہے ہیں اور جس محقق کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہ بات کہاں ختم کرتا ہے۔ اس لئے کتاب کا زیادہ تر مزاج مستشرقین کا مرہون منت ہے۔ یہ ایسا ادق موضوع ہے کہ بہت کم لوگوں نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت کی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تدوین و تالیف کیلئے بھی اس پائے کا محقق ہونا چاہئے تھا جو اس موضوع پر دسترس رکھتا ہو۔ شاید یہ وجہ ہے کہ کتاب پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ مسودہ جگہ جگہ ادھورا پڑا ہے۔ میری نظر میں اس موضوع پر اکثر کوئی مستند کام ہوا ہے تو وہ عین الحق فرید کوٹی صاحب کی کتاب "اردو

زبان کی قدیم تاریخ" ہے جو جون ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی یا پھر ان کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب "Pre-Aryan Origins of the Pakistani Languages." جس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا- اس کے علاوہ رشید ملک صاحب نے اپنے مختلف مقالوں میں اس موضوع پر کچھ بات کی ہے- حیران کن بات یہ ہے کہ The History and Culture of the Indian People کی پہلی جلد جو کہ Vedic Age کہلاتی ہے اس میں ہڑپائی رسم الخط پر ڈیڑھ صفحہ سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا- A.D. Pusalker نے اس میں صرف سرسری جائزہ لیا ہے- ہمارے ہاں ایک اور المیہ یہ بھی ہے کہ ہماری بہت سی تصنیفات جو بہت سے مصنفین سے منسوب ہیں اصل میں تصنیفات نہیں ہیں بلکہ ان کا شائع ہونا صرف تدوین و تالیف تک محدود ہے- اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر میں یہ کہوں کہ مذکورہ کتاب بھی صرف تدوین و تالیف تک محدود ہے تو غلط نہ ہو گا-

قدیم زبانوں یا ان کے رسم الخط کے بارے میں ابھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اور یہ بات وادی سندھ کے رسم الخط کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے- البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ رسم الخط کی کھوج سے متعلق کئی ایک نئے سوالات ابھر کر سامنے آئے ہیں- کتاب کے عنوان کو اگر سامنے رکھا جائے تو زیر بحث وہی زبان اور رسم الخط ہونا چاہئے تھا جو دور قدیم سے تعلق رکھتا- لیکن یہاں تو بحث ہڑپائی تہذیب سے پھیل کر مغلیہ دور کو گھیرے میں لیتی نظر آتی ہے- جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے جو مواد اکٹھا کیا تھا وہ مختلف ادوار پر مشتمل ایک سے زائد جلدوں کے لئے تھا- لیکن اس کتاب میں ان کی ساری محنت کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے- اس لئے قدیم کا لفظ ذرا کھٹکتا ہے-

میرے خیال مین قدیم کے تحت اگر اس کتاب میں صرف ماقبل آریائی زبانوں اور ہند آریائی زبانوں کی اولین شکل پر ہی بحث تمام کر لی جاتی تو مطلب پورا ہو جاتا- لیکن ایسا نہیں ہوا موضوعات اتنے پھیل گئے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا بھی ممکنات میں سے نہیں- اس لئے میں یہاں ارض پاک کے قدیم رسم الخط جسے سومیری کہا گیا ہے خود کو محدود رکھوں گا- بعد ازاں چند چھوٹے چھوٹے سوالات کی طرف توجہ دلوانے کی کوشش کروں گا- اس سے زیادہ چیزوں کو پکڑ میں لانا ممکن نہیں-

ارض پاک کے قدیم رسم الخط کو سومیری ثابت کرنے کیلئے مصنف نے Langdon اور Hunter کی تحریروں سے اکتساب کیا ہے اور جابجا ان کے حوالے دیئے ہیں- یہ دونوں کتابیں ۳۴-۱۹۳۳ء میں لکھی گئی

تھیں- Hunter نے اپنی کتاب

The Script of Harappa and Mohenjo-daro and its connection with other scripts. (1934) اور اپنے ایک مقالے Mohenjo-daro---Indus-Epigraphy جو کہ (JRAS) میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا میں ان موضوعات پر بحث کی ہے- ان کو بنیاد بناتے ہوئے رشید اختر ندوی صاحب نے جو نتائج نکالے ہیں وہ یہ ہیں-

۱- ہڑپائی مہروں کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ان ہندی مہروں کا رسم الخط بھی وہی ہے جو قدیم سومیر کا تھا- اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ قدیم سومیری رسم الخط وادی سندھ میں بھی قبل از تاریخ عہد میں رائج تھا- (اصل میں یہ بات Langdon کہہ رہا ہے)

۲- Langdon پھر کہتا ہے کہ وادی سندھ کا رسم الخط لازماً سومیری رسم الخط تھا اور اس وادی کے لوگوں کی زبان بھی سومیری زبان تھی-

۳- Langdon اور Hunter نے یہ بات سومیر میں بہت سی ہڑپائی مہریں دستیاب ہونے کے بعد کہی-

۴- انہوں نے یہ بھی کہا کہ دونوں وادیوں کے لوگ ایک دوسرے کی زبان کا علم ضرور رکھتے تھے-

بعد ازاں Hunter نے دونوں زبانوں کا موازنہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

i- موہنجو دڑو اور ہڑپہ کا رسم الخط صوتی تھا-

ii- اس کا اصل تصویری اور تشبیہی تھا-

iii- یہ قدیم سومیری رسم الخط سے حد سے زیادہ مشابہ ہے اور اس کا تشابہ ماقبل میلدی رسم الخط سے بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ سومیری سم الخط سے-

iv- ان مہروں پر جو تصویریں بنی ہیں وہ ویسی ہیں جو عراقی سومیریوں کی مہروں پر کندہ تھیں-

رشید اختر ندوی صاحب نے جس وقت ان موضوعات پر تحقیق کی اس وقت ہڑپائی زبان کے بارے میں وہ باتیں سامنے نہیں آئیں تھیں جو بعد ازاں Asko Parpola اور Yu. Knorozov نے فن لینڈ اور روس میں اپنی تحقیقات کے دوران کیں-

ہمیں تقابلی جائزے کیلئے دونوں زبانوں کے رسم الخط کا بخوبی علم ہونا چاہئے کہ وہ کس ماحول میں پروان

پڑھیں ان کے صرف و نحو کیا تھے۔ حرفوں کی بندش سے الفاظ کیسے بنتے تھے۔ ترسیمی یا تصویری رسم الخط سے نشونما پا کر الفبائی نظام تک کون پہنچا اور کون سا رسم الخط راستے میں ہی رہ گیا۔ جتنے وثوق کے ساتھ ہم سومیری رسم الخط کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں اتنے وثوق کے ساتھ شاید ہڑپائی رسم الخط کے بارے میں نہ کہہ سکیں۔ اس کے بعد ہی ہم یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ آیا ہڑپائی رسم الخط سومیری تھا یا اس کے برعکس۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ سومیری زبان اور تہذیب دنیا کی قدیم ترین زبان اور تہذیبوں میں سے ہے۔ سومیر میں سب سے پہلے جو لوگ آکر آباد ہوئے وہ غیر سامی تھے اور ان کا عہد ۴۵۰۰ قبل از مسیح سے لے کر ۴۰۰۰ قبل از مسیح تک تھا۔ وہ لوگ سومیری زبان نہیں بولتے تھے۔ العبید کے مقام کے حوالے سے انہیں عبیدین بھی کہا جاتا ہے۔ وہ قبل از فراتی بھی کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد سومیری داخل ہوئے جن کا عہد ۳۳۰۰ قبل از مسیح بنتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اناطولیہ سے آئے تھے۔ بعد ازاں سومیری زبان کی جگہ عکادی نے لے لی۔

سومیری زبان کی نشونما کو عام طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، قدیم ترین سومیری۔ کلاسیکی سومیری۔ نئی سومیری اور بعد از سومیری۔ قدیم ترین سومیری کا عہد ۳۱۰۰ قبل از مسیح سے لے کر ۲۵۰۰ قبل از مسیح تک ہے۔ اس عہد کی زبان کو بہت کم سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ اس کی اولین شکل ہے۔ دوسرا عہد ۲۵۰۰ قبل از مسیح سے ۲۳۰۰ قبل از مسیح کا ہے۔ اس میں زیادہ تر لگاش کے حکمرانوں کے ریکارڈ ملتے ہیں۔ جو زیادہ تر کاروباری، انتظامی اور قانونی معاملات سے متعلق ہیں۔ نئی سومیری زبان کا عہد ۲۰۰۰ قبل از مسیح تک کا ہے۔ اس کے بعد کا عہد بعد از سومیری کہلاتا ہے جس میں سب سے زیادہ ادب دریافت ہوا ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ سومیری زبان کی نشونما کی کئی پرتیں ہیں جب کہ ہڑپائی زبان کی صرف دو پرتیں ہیں یعنی ہڑپائی رسم الخط اور عہد متاخر کا ہڑپائی رسم الخط۔

سومیری رسم الخط کا آغاز قدیم ہجری دور کی ترسیمی علامتوں سے ہوا۔ بعد ازاں نقش سب سے پہلے مٹی کے ایک انچ کے ٹکڑوں پر داب کے ذریعے ابھارے گئے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مندروں کا حساب کتاب رکھنے کے لئے یہ طریقہ وضع کیا گیا۔ پہلے یہ تصویری رسم الخط تھا بعد ازاں تصویر معدوم ہوتی گئی اور لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا۔ اب یہ لوگ ناقلہ Stylus سے مٹی پر لکھتے تھے۔ یہ خط میخی یا پیکانی کہلایا (Cuneiform) اس خط کا موجد بھی سومیریوں کو کہا جاتا ہے۔

سومیری رسم الخط اور زبان کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کا ابھی پوری طرح احاطہ نہیں ہو سکا۔ کبھی اسے یورال کی زبانوں جس میں ترکی بھی شامل ہے کبھی دراوڑی' براہوی' بنتو زبانوں کے ساتھ اسے ملایا جاتا ہے لیکن ابھی تک کوئی بھی نظریہ قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔ سومیری زبان بنیادی طور پر الزاقی زبان ہے جہاں لفظ کی بنیاد کو قائم رکھتے ہوئے اس میں صرف و نحو کی بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں۔ اس میں لاحقے Suffix سابقے Prefix اور Infix لگانے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ ہند یورپی یا سامی الاصل زبانوں کی طرح فعل اور اسم میں تمیز نہیں پائی جاتی۔ صرف استعمال یا سابقے یا لاحقے لگانے سے اسم فعل میں بدل جاتا ہے۔ جیسے سومیری زبان کے لفظ ڈگ کے معنی زبان اور بولنا دونوں ہیں۔ اس میں چار حروف علت ہیں اور سولہ باقی حرف۔ اسم میں تذکیر و تانیث کی تمیز بھی نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ زبان الفبائی نظام تک بھی نہ پہنچی۔

سومیری رسم الخط سے اس آگاہی کے بعد ہم جدید تحقیقات کی روشنی میں ان سوالوں کی وضاحت کرتے ہیں جن میں Hunter اور Langdon نے ہڑپائی رسم الخط کو سومیری رسم الخط قرار دیا ہے۔ ان میں جو باتیں کہی گئیں ہیں وہ Parpola' Mahaderan' Knorozor اور S. R. Rao نے اپنی مختلف تحریروں میں اخذ کی ہیں۔ ایراوتھم مہادیون اپنے مضمون "Terminal Ideograme in the Indus Script" میں کہتا ہے کہ ہڑپائی رسم الخط اپنے ہمعصر کسی بھی تصویری رسم الخط سے مشابہہ نہیں ہے گو مغربی ایشیائی ثقافتوں کے ساتھ ان کے ثقافتی رشتے تھے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ مزید برآں وہ یہ کہتا ہے کہ کچھ تصویری علامتوں جیسا کہ آدمی۔ مچھلی۔ پہاڑ۔ دریا۔ بارش۔ شہر۔ مکان۔ ہل کا ایک جیسا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ہڑپائی رسم الخط سومیری تھا۔ ہڑپائی رسم الخط کا علامتی تسلسل بالکل منفرد ہے اور مغربی ایشیائی کسی بھی رسم الخط سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں۔

S. R. Rao اسی بات کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ایسی علامتوں پر غور کرتے ہوئے جو کہ سامی الاصل رسم الخط اور ہڑپائی رسم الخط میں یکساں ہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہڑپائی رسم الخط خصوصی طور پر بعض وجوہ کی بنا پر بالکل منفرد ہے۔ جہاں سامی الاصل رسم الخط میں حرف علت کو خاطر میں نہیں لایا جاتا وہاں ہڑپائی رسم الخط میں اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ گو زمانہ متاخر کے ہڑپائی رسم الخط کی بائیس علامتوں میں سے سترہ سامی الاصل یا سومیری رسم الخط سے ملتی ہیں۔ اس کے نزدیک اس حوالے سے یہ

زبان ھتائی اور اوستائی زبان سے زیادہ قریب ہے۔

Parpola کہتا ہے کہ یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ رسم الخط کا خیال عیلام سے آیا ہو لیکن اصل رسم الخط آزادانہ طور پر اپنے تیئں ایجاد ہوا۔

دوسرا نقطہ Langdon کا یہ ہے کہ رسم الخط کے علاوہ وادی سندھ کے عوام کی زبان بھی سومیری تھی۔ اب چونکہ سومیری زبان پڑھی جا چکی ہے اور بہت سی تحریریں منظرعام پر آچکی ہیں اس لئے اس بات کی کوئی ٹھوس شہادت نہیں ملتی کہ وادی سندھ کی زبان سومیری تھی البتہ جیسا کہ عین الحق فرید کوٹی صاحب نے ثابت کیا ہے۔ اس زبان کا قریبی رشتہ مقامی زبانوں کے ساتھ تھا۔ جس میں براہوی، پنجابی، کناری، تامل، تلیگو وغیرہ شامل ہیں۔ اور یہ سب زبانیں دراوڑی الاصل ہیں۔ جیسا کہ رشید اختر ندوی صاحب نے کتاب ثانی کے پہلے باب میں Holdich اور دوسرے محققین کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ ارض پاک کی سب سے پہلی زبان دراوڑی تھی۔ لیکن جو مزید بحثیں اس سلسلہ میں جاری ہوئیں وہ ہماری بحث سے باہر ہیں۔ یعنی دراوڑی کہاں سے آئے تھے۔

تیسرا نقطہ سومیر کے علاقے میں ہڑپائی مہریں دستیاب ہونے سے متعلق ہے۔ یہ صرف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں تہذیبوں کے مابین تجارتی مراسم تھے۔

چوتھا نقطہ کہ دونوں وادیوں کے لوگ ایک دوسرے کی زبان کا علم رکھتے تھے اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اس بات پر بحث کرنے کے بعد کہ ہڑپائی رسم الخط سومیری رسم الخط نہیں تھا۔ ہم چند دوسرے مباحث کی طرف آتے ہیں۔ ایراوتھم مہادیون یہ کہتا ہے کہ ہڑپائی رسم الخط نیم الفبائی یا الفبائی نہیں تھا۔ جبکہ S. R. Rao نے اپنے مضمون "New Hight on Indus Script and Language" میں ہڑپائی رسم الخط کے جو دو مرحلے بتائے ہیں اس میں سطری علامتوں تک رسائی کے بعد پہلے مرحلے میں وہ جزوی طور پر ہجائی اور الفبائی ہوگیا تھا۔ اور دوسرے مرحلے میں وہ مکمل طور پر الفبائی ہوگیا تھا۔ ایسی تصویریں حذف کر دی گئیں تھیں جو ہجائی یا ارکانی شکلوں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اس وقت اس رسم الخط کی علامتوں کی تعداد بھی باسٹھ ہوگئی تھی۔ اور ایسی مہریں لوتھل، موہنجوداڑو، رکھی گڑھی اور رنگ پور سے ملی ہیں۔

ایراوتھم مہادیون یہ بھی کہتا ہے کہ اس رسم الخط یا زبان کا ہند اریائی زبانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں

کیونکہ اس میں نہ تو سابقے ہیں، نہ صوتی تلحین ہے Inflection اور نہ ہی لاحقے ہیں جیسا کہ سومیری زبان میں پائے جاتے ہیں۔

وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ ہڑپائی زبان کا سومیری یا مغربی ایشیائی زبانوں سے اس لئے بھی تعلق نہیں کہ وہ وصف Attribute کو اسم ذات کے بعد جگہ دیتے ہیں۔ ہڑپائی زبان کی یہ معکوسی ترتیب کا ثبوت یہ ہے کہ ہڑپائی رسم الخط میں عدد شمار کئے جانے والی شے سے پہلے آتے ہیں۔

یہ تو تھا ایک پہلو، رشید اختر ندوی صاحب کی کتاب میں ایسے موضوعات کی فراوانی ہے۔ کتاب کو پڑھنے کے بعد انسان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا تعاقب کرتے کرتے سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں جہلم کا پورس یا تو ایرانی النسل تھا یا دراویدی۔ اب بتایئے کیا اس موضوع پر سیر حاصل بحث نہیں ہو سکتی۔ اس طرح اس کتاب میں کئی بند دروازے کھلے ہیں۔

اشفاق سلیم مرزا